ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

اُردو میں دوہااور جمیل الدین عالی کی دوہانگاری کا تکنیکی جائزہ

Urdu Couplets and Technical Review of Jameel-ud-Din Ali's Couplets

ڈاکٹر سونیا بشیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

Dr. Sonia Bashir
Department of Urdu, Assistant Professor, University College for Women Abdul Wali Khan University, Mardan

Abstract:
Urdu couplet is one of the most important ancient classical poetry genres of Hindi origin. The mood of this genre is public like Pashto Tapa. In which emotions and feelings are expressed in a very spontaneous and effective manner. Technically, this genre is written in ancient Hindi awzan instead of Persian and Arabic awzan. Jameeluddin Aali took special interest in this somewhat forgotten genre. New topics were introduced by him in it. A detailed discussion has been covered in the article under review. Speaking of popularity, Jamiluddin Auliya's couplets were also popular among the people because he not only created a world of diversity at the thematic level, but also went ahead in the light of Hindi couplets in a new way, which is undoubtedly appropriate to be called "Auliya Chaal." He experimented in the genre of couplets with new weights and weights and presented the continuous couplets in such a way that the researchers called this new weights and weights in which the old poets had also experimented. Translated into English.

Keywords: Urdu couplet, Hindi origin, thematic level, technical requirements, couplets, themes, experiments

اُردو ادبی اصناف کی شعری روایت میں کچھ اصناف ایسی ہیں جن کے ڈانڈے عربی اور فارسی زبانوں کے اصناف سے ملتے ہیں جیسے غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی جب کہ کچھ اصناف ایسی ہیں جو اپنی بنیاد و نہاد میں ہندی الاصل ہیں ان میں گیت اور دوہا خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اردو ادب کا دستر خوان اس لحاظ سے خاصا کشادہ ہے کہ یہ کسی بھی زبان کی لفظیات و اصطلاحات کو قبول بھی کرتا ہے اور اس روایت کو آگے لے جانے میں بھی اس نے اپنا کردار بخوبی ادا کیا ہے۔ اردو نے اپنے گرد و پیش میں بولی جانے والی زبانوں اور ان زبانوں کے ادب میں پیش کیے گئے موضوعات اور لفظیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں مضامین و موضوعات تکنیکی رنگوں سے بھی متمتع ہوتے رہے اور اصناف کو نئے انداز سے برتتے ہوئے اس میں ہئیتوں کے تجربے بھی ہوتے رہے۔

دوہا بھی ایک ایسی شعری صنف ہے کہ جس میں تاریخ کے ادوار میں مختلف شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ دوہا کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ یہ قدیم ترین صنف سخن ساتویں آٹھویں صدی سے چلی آرہی ہے اور یہ ایک ایسی عوامی صنف ہے جس میں مقامی بولیوں ٹھولیوں سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے ۔ اردو شعر کی اکثر اصناف نے پرانے زمانے سے دکن کی سرزمین میں رواج پایا۔ دکن کے

صوفیاء نے دوہے کی صنف کو سامنے لانے میں اپنا کردار ادا کیا لیکن اس کے بعد ایک طویل مدت تک اس صنف سے بے اعتنائی برتی گئی۔ مانا جاتا ہے کہ قافیے کو اپ بھرنش میں استعمال کرنے کا سہرا دوہے کے سر جاتا ہے اور اس سے پہلے پراکرت اور سنسکرت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دوہا دو مصرعوں کی ایک مختصر ترین صنف ہے اور یہی اس کی امتیازی خصوصیت بھی ہے۔ ہندی کا دوہا غزل کے مطلع کے مانند ہوتا ہے تاہم یہ ردیف کی قید سے آزاد ہوتا ہے اگرچہ غزل لکھنے کے لیے بھی ردیف کی قید نہیں تاہم بیشتر غزلوں میں اس کا التزام ملتا ہے جب کہ دوہے میں اس کا برتنا ضروری نہیں۔ ہندی شعراء میں جن شاعروں نے اس صنف کو اعتبار بخشا ان میں عبدالرحیم خان خاناں، تلسی داس اور کبیر معروف ہیں۔ جس طرح عوامی گیت ہوتے ہیں جن کو لوک گیت کہا جاتا ہے وہی مزاج دوہے کا بھی ہے جس کی وجہ سے یہ ایک عوامی صنف سخن ہے اس لیے اس صنف کے برتنے والوں میں بہت سے شعرا ایسے ہیں جن کے نام پشتو ٹپے کے لکھنے والوں کی طرح سامنے نہیں آئے۔

اُردو میں اس صنف کے آغاز کے حوالے سے جس شاعر کے نام کو شہرت ملی وہ میراں جی شمس العشاق ہیں۔ میراں جی شمس العشاق نے اپنی کتاب "خوش نامہ" میں اپنے لکھے گئے بہت سارے دوہوں کو شامل کیا۔ اس صنف کو ترقی دینے والوں میں امیر خسرو، شیخ شرف الدین نوری اور بو علی شاہ قلندر کے نام اہم ہیں۔ فی زمانہ اس صنف کو فروغ دینے والوں میں کئی شعراء کا کام سراہے جانے کے قابل ہے۔ ان شعراء میں عابد پشاوری، جمیل الدین عالی، بھگوان داس اعجاز، ناصر شہزاد، پرتو روہیلہ، ظفر گورکھپوری اور ندا فاضلی نے نہایت خوبصورت انداز میں مشق و مہارت بہم پہنچائی۔ جہاں تک دوہے کی تکنیک کا تعلق ہے تو اس شعری صنف کو دوہرا اور دوید کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دوہے کے دونوں مصرعے مقفی ہوتے ہیں۔ ہر دوہا دو ہم قافیہ مصرعوں سے مل کر بنتا ہے جن میں ہر مصرعہ ۲۴ ماترائیں رکھتا ہے ہر مصرعہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے ایک ۱۳ اور دوسرا ۱۱ ماترائیں رکھتا ہے۔ یہ دونوں مصرعے مل کر معنوی لحاظ سے ایک اکائی تشکیل دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی لکھتے ہیں۔

> "اُردو دوہے کی ہئیت پر بات کی جائے تو پراکرت اور اپ بھرنش کے اڑتالیس حرفی قدیم دوہے کی ہئیت پر مبنی ہے جو دو دو سطروں میں لکھا جاتا ہے اور دونوں سطریں ہم قافیہ ہوتی ہیں۔ ہر سطر میں چوبیس ماترائیں ہوتی ہیں اور اس کی ایک مخصوص چال ہوتی ہے"(۱)

لیکن اُردو شعرا نے اس میں جدت سے بھی کام لیا اور اگرچہ دوہے کی ہئیت کو برقرار رکھا لیکن ان دوہوں میں مختلف اوزان کو ان کے مخصوص آہنگ کے ساتھ بھی استعمال کیا۔ زیر بحث سلسلے میں جمیل الدین عالی دوہے کے دور جدید کے اہم شاعر کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ جمیل الدین عالی نے غزلوں، گیتوں، نظموں اور ملی ترانوں میں بھی خوب نام کمایا لیکن دیکھا جائے تو فن کی دنیا میں ان کا اصل میدان دوہا کی صنف ہے جس میں انہوں نے صحیح معنوں میں قلم کی جولانیاں دکھائیں۔ کیونکہ یہی صنف ان کے مزاج سے ہم آہنگ تھی۔ جمیل الدین عالی نے اس قدیم صنف سخن میں جو ایک طرح سے بے توجہی کا شکار تھی نئی روح پھونک دی اور اس کو نئے رنگ میں نئے موضوعات کے ساتھ زندہ کیا۔ وہ بلاشبہ اُردو میں جدید دوہے کے کارواں سالار تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔

آج بھی ہاری کھیت کو ترسے کاریگر بے کار
آج بھی بچے ان پڑھ گھر میں اور مائیں بے زار (۲)

جمیل الدین عالی نے زندگی کے متنوع تجربوں اور احساسات کا حسن کارانہ اظہار جس برجستگی کے ساتھ اپنے دوہوں میں کیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف برتے گئے مضامین بلکہ اس صنف کے رنگ بھی نکھر کر سامنے آئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس صنف کو

بھرپور تکنیکی جدتوں کے ساتھ ذریعہ اظہار بنایا ہے۔

مقبولیت کی بات کی جائے تو جمیل الدین عالی کے دوہے اس لیے بھی خواص و عوام میں مقبول ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ موضوعاتی سطح پر تنوع کا جہان آباد کیا بلکہ ہندی دوہے کی ہئیت کی روشنی میں آگے جاتے ہوئے ایک نئی طرح ڈالی جسے بلاشبہ ''عالی چال'' کہنا مناسب ہے۔ انہوں نے نئے وزن و آہنگ کے ساتھ دوہے کی صنف میں طبع آزمائی کی اور مسلسل دوہے اس انداز سے پیش کیے جیسے کوئی مسلسل نظم اس نئے وزن و آہنگ کو محققین نے سرمئی چھند قرار دیا جس میں پرانے شعراء نے بھی طبع آزمائی کی تھی ۔ سرمئی چھند کی ہئیت پر بات کی جائے تو تکنیکی لحاظ سے اس کا ہر مصرعہ ستائیس ماترائیں رکھتا ہے اور درمیان میں سولہ ماتراوں کے بعد وقفہ ضروری ہے ۔ دوہے کی ہئیت کی طرح ہر مصرع کے آخر میں ہی وقفہ ہوتا ہے۔ یہاں پہ اگر جمیل الدین عالی کے دوہوں میں انفرادیت کی بات کی جائے تو انہوں نے اپنے دوہوں میں جو امتیازی انداز اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوہار قم کرتے وقت ان کے ذہن میں ایک خاص معیار تھا جس نے اُنھیں یہ دوہے لکھنے کے لیے مہمیز دی_ ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی لکھتے ہیں_

> ''دوہا لکھتے وقت ان (جمیل الدین عالی) کے پیش نظر جو سانچہ رہا اور دوہے میں انہوں نے جس وزن و آہنگ اور ترتیب کا خیال رکھا۔ ہندی میں اس کی مثال ملک محمد جائسی کے یہاں ہی ملتی ہے۔
>
> اب ستھ مروں چونچھ گ پانی پیہم پیارے ہاتھ
> بھینٹ ہوت دکھ روئی سنادت جیون جات جو ساتھ
>
> اے رانی اب دل پہ رکھ کر کھینچ نہ لینا ہاتھ
> اے راجا میں آج تری ،کل اور کسی کے ساتھ(۳)

جمیل الدین عالی کے دوہوں کے مضامین اور ان کے موضوعات کی ترتیب، وضع اور پیش کش اس طرح کی ہے کہ یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جمیل الدین عالی کا ذہن ایک الگ حوالے سے اس تہذیبی زندگی سے جڑا ہوا ہے۔ دوہے میں ان کی اس قدر دلچسپی بھی کہیں دور بہت دور ان کے اس ماضی میں لے جاتی ہے جو تقسیم سے قبل کی ملی جلی فضا میں پروان چڑھا تھا اور جس میں نسلوں کی نسلیں آباد ہوئیں۔ پروفیسر شمیم حنفی کا خیال ہے:

> ''ہر ادبی اور تہذیبی روایت کی روح ایک مخصوص علاقے اور معاشرے کی صدیوں کی تاریخ کا ترکہ ہوتی ہے اس کا تعلق اپنے ماحول اور خطے کے جغرافیائی حالات ، رسوم روایات مظاہر اور موجودات سب سے ہوتا ہے۔ یہی روح ہر معاشرے کی lifeline ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی خارجی پرتوں میں وقت کے ساتھ رونما ہونے والے تغیرات کے باوجود ہر عہد میں اس کا تسلسل باقی رہتا ہے اور یہ متروک نہیں ہوتی۔ داخلی وحدت کو قائم رکھنے کا ذریعہ بنتی ہے اور اپنی انفرادیت کا تحفظ کرتی ہے۔''(۴)

اس ضمن میں دیکھا جائے تو جمیل الدین عالی کے دوہوں میں روایات کی ملی جلی مہک یوں نظر آتی ہے کہ یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ کونسے رنگ کو کس رنگ سے کہاں الگ کرے۔ جب بھی کوئی تخلیق اس انداز سے معرض تشکیل میں آتی ہے تو اس کا صاف

مطلب یہی ہوتا کہ فنکار اپنے فن میں کس قدر مہارت رکھتا ہے اور صرف مہارت ہی نہیں بلکہ فطری طور پر اس کا مزاج کہاں تک اس فن سے ہم آہنگ ہے۔ جمیل الدین عالی کے دوہوں کی فضا میں بشریت کا ایک خاص میلان نظر آتا ہے جس میں وسعت اور اعلیٰ ظرفی کے پہلو خاصے نمایاں ہیں۔ جمیل الدین عالی کے دوہوں میں طرح طرح کے رنگوں کی دنیائیں سانس لے رہی ہیں جس میں بنظر غائر دیکھا جائے تو اپنی ذات اور ذہنی افتاد کا اثر بھی ہے ان کی اپنی لگن ریاضت، تخلیقی کرب اور سرشاری تو ہے ہی ساتھ میں کچھ دوسرے عوامل بھی اپنا اثر دکھاتے نظر آتے ہیں۔۔ڈاکٹر حنیف فوق اس حوالے سے لکھتے ہیں ۔

> ”اس مستی کو مسلم وسط ایشیائی تہذیب کے برصغیر میں قائم کردہ سلسلہ روایات نے تڑپ بخشی ہے اور اس میں جو نرمی اور ملائمت آئی ہے اس کا سلسلہ کہیں نہ کہیں والمیک، کالی داس، سورداس، تلسی داس، بہاری اور کیشو داس کی اس تہذیبی روایت سے بھی مل جاتا ہے جس کے بنانے میں مسلمان شعراء کا حصہ کچھ کم نہیں ہے لیکن ان دونوں روایتوں کے امتزاج کا تناسب یقیناً ان کے عصر کے حالات اور ان کے شخصی مزاج کا پیدا کردہ ہے۔“(۵)

ڈاکٹر حنیف فوق کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ عالی کے دوہوں کی رومانی داخلیت اور شاعرانہ حسن و جمال کے ساتھ ان معروضی حقیقتوں اور حالات کی تلخیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا جو سینکڑوں سالوں سے انسانی معاشرے کا المیہ رہا ہے۔ سو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

کیسے کیسے دیے جلے پر وہی رہا اندھیر
بڑے بڑے وہی ڈوری پکڑے چھوٹوں کے وہی پھیر (۶)

فنی حوالے سے ان اصناف کی اگر بات کی جائے جنھیں ہم خالص ہندوستانی دھرتی کی پیداوار کہہ سکتے ہیں تو ان میں سے سب سے مقبول صنف یعنی گیت کو اس طرح اردو کے شاعروں نے اُردو تغزل اور شعریت میں رنگ دیا کہ اب ہندوستانی گیتوں کو اُردو روزمرہ اور محاورے کے بغیر گیت کہنے میں تامل ہوتا ہے لیکن دوہا ایک ایسی صنف ہے جس نے مدتوں گزرنے پر بھی اپنی انفرادیت نہیں کھوئی اس فضا کو روایت کے ساتھ جوڑے رکھنے میں جمیل الدین عالی نے بے پناہ خوبصورت دوہوں کو تخلیق کیا۔

یہ من جس پر سو سو کنواری کنوا پتادے تول
اک سو خصمی ناگن اس کو مارگئی بے مول (۷)

تہذیبی مطالعہ کے پس منظر کو پیش منظر میں لایا جائے تو دوہے کی صورت میں جمیل الدین عالی نے تہذیب کے ان گنت چراغ روشن کیے ہیں_ اور اس ضمن میں وہ مختلف الجہت حوالوں سے پریم سنسار بساتے نظر آتے ہیں_ ان کے ترتیب دیے ہوئے بہار یہ مناظر احساسات کو ایک ایسے ماحول میں لے جاتے ہیں جو اپنے اندر نشاطیہ چھب رکھتا ہے ڈاکٹر طارق سعید لکھتے ہیں:

> ”ادب کا تنقیدی مطالعہ تہذیبی پس منظر کی نفی سے نہیں بلکہ اس پس منظر کے اقرار سے ممکن ہوتا ہے“(۸)

جمیل الدین عالی کے دوہوں پر بات کرتے ہوئے جہاں اس کی اچھی خاصی پذیرائی ہوئی وہیں اس پر اعتراضات بھی سامنے

آئے کہ یہ دوہے مروجہ ہندی بحر میں نہیں۔۔۔اس سلسلے میں دیکھا جائے تو کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کی خوبی میں ہی اس کی خامی بھی چھپی ہوتی ہے۔ظہیر غازی پوری لکھتے ہیں_

> ''جمیل الدین عالی نے چوبیس ماتراوں ۱۳+۱۱ والے دوہا چھند کو نظر انداز کر کے گیت اور کویتاوں کے لئے مخصوص سار ہر گیتکا (۲۷ اور ۲۸ ماتراوں والے) چھندوں میں دوہے تخلیق کیے ہیں۔یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جمیل الدین عالی دوہے کی تاریخ اور اس کی روایات سے ناواقف ہیں۔لیکن مجھے یہ کہنے میں کسی قسم کا تکلف یا باک نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی ہوشمندی کو غلط راستے پر ڈالا ہے اور ایک قابلِ احترام روایت کو قدموں تلے روند کر پامال کیا ہے۔''(۹)

ظہیر غازی پوری نے جمیل الدین عالی کے دوہوں پر جو تنقید کی کم و بیش انہی خیالات کا اظہار ڈاکٹر گیان چند، مختار ٹونکی اور پریم پال اشک نے بھی کیا ہے۔جو لوگ دوہوں میں ایک طرف تجربہ کو سراہ رہے ہیں وہیں اسے دوہے کی شکل میں بگاڑ کا سبب بھی ٹھہراتے ہیں۔یوں تو تقریباً ہر دوہے میں ایک الگ کہانی بیان ہوتی ہے تاہم جمیل الدین عالی کے دوہے اشعار کو موضوعاتی لحاظ سے ساتھ ملاتے پھیلاؤ اختیار کرتے جاتے ہیں انہوں نے مختلف شہروں اور ان شہروں میں بسنے والوں کے ساتھ خود پر گزری واردات کے بیان میں بھی تفصیل سے کام لیا ہے جیسے کچے محل کی رانی آئی رات ہمارے پاس میں ایک پوری داستان نظر آتی ہے_ اسی طرح مختلف عنوانات کے تحت بھی انہوں نے چھ سات دوہے تسلسل کے ساتھ لکھے ہیں۔حیدرابادد کن، پنڈی دیس لندن اور بنگلہ دیش کی ناریوں کا تذکرہ بھی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے_ اس قسم کے دوہوں پر یہ اعتراضات ہوئے کہ تجربہ کرنا اچھی بات ہے لیکن دوہے میں اس طرح سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے دوہے کی اصل روح پرواز کر گئی اور وہ کچھ سے کچھ بن گیا۔پروفیسر مسعود حسین خان لکھتے ہیں۔

> ''دوہے کا تعلق ''فردیات'' سے ہے۔اس لیے اس میں جذبہ یا فکر کا غیر معمولی ارتکاز ہونا چاہیئے۔جب اس کو بیانیہ بنا دیا جائے تو اس کی ہئیت کذائی ہی بدل جاتی ہے۔عالی نے اکثر جگہ صنف دوہا کی ترکیب میں جس قدر ماتراوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے اس وجہ سے گیت وشرام (وقفہ) کی جگہ ہی بدل گئی ہے اس کا جواب صرف ان کے ایک اعتذاریہ دوہے سے نکالا جا سکتا ہے۔چند نئے شعروں کے شعلے کیسی لے میں بھڑکتے ہیں۔

تم آکر سنتے تو سہی کل ساری رات اُجالا تھا
جانے کیسے لوگوں کی نظریں تجھ تک پہنچی ہم نے تو
برسوں بعد غزل کی رو میں اک مضمون نکالا تھا　(۱۰)

یہ اکثر ہوتا ہے کہ جب بھی کسی پرانے ڈھرے سے تھوڑا ہٹ کر نیا راستہ بنانے کی کوشش ہوئی کہیں نہ کہیں سے کوئی ایسی آواز ضرور اٹھتی ہے جو پرانے راگ کی دھن سے الگ کوئی دوسرا سر چھیڑنے پر معترض ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر فنی سانچہ ہمیشہ اسی لکیر کو پیٹتا ہے جس پر گذشتہ ادوار میں طبع آزمائی ہوتی رہی۔انسانی زندگی واقعات کے ساتھ امکانات کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ رکھتی ہے اور فنکار کا ذہن تخلیق کے دوران پرانے سانچوں کے ساتھ نئے کی جستجو بھی کرتا ہے۔۔جمیل الدین عالی زندگی کے رسیا ہیں

اس لیے انہوں نے لفظوں کو بھی ایسے برتا ہے جیسے کوئی زندہ ہستی۔وہ لفظوں کا شعبدہ باز نہیں بلکہ لفظوں کو انہوں نے اپنی روح میں اتارا ہے اور اسی سچی روح کے ساتھ اپنی ذات سے مس کرتے ہوئے اسے عین فطرت کی آواز بنایا ہے۔

یہ گدرایا بدن تیرا یہ جوبن رس یہ چال
اری مراٹھن ہم پردیسی سن تو ہمارا حال (۱۱)
عالی! اب کے کٹھن پڑا دیوالی کا تیوہار
ہم تو گئے تھے چھیلا بن کر بھیا کہہ گئی نار (۱۲)

جمیل الدین عالی کے دوہوں کیے رنگ ڈھنگ کو سامنے رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے میرابائی، بھگت کبیر ،رحمان، تلسی داس، بہاری، بابا بلھے شاہ کو خوب پڑھا اور سمجھا ہے_کچھ ٹھیٹھ ہندی میں لکھنے والوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے_امیر خسرو کے بارے میں انھوں نے خود کہا تھا کہ ان کے دوہوں کو سمجھنا آسان ہے کیوں کہ انہوں نے نسبتاً عام فہم زبان اختیار کی کچھ دل کے اندر کی آگ ایسی تھی کہ واردات قلبی کے بیان کے لیے دوہے کی صنف موزوں معلوم ہوئی بقول جمیل الدین عالی:

"خواجہ دل محمد صاحب کے دوہے میں نے بعد میں پڑھے_ان کی کتاب شاید ۱۹۵۱ء میں آئی تھی۔ کمال کے ہیں مگر مضامین دوسرے اور بحر ہندی کی مروجہ تیرہ ماترے والی جو میں نے اب تک اختیار نہیں کی۔ میرے ذہن میں ایسے وقفے۔۔بشرام۔۔سے جھٹکا لگتا تھا۔لیکن میری بحر "عالی چال" کے لیے دوہے پر وہ بہت سے مباحث دیکھنے ہوں گے جو بہت سی کتابوں میں بھی آچکے ہیں۔(۱۳)

اپنے دوہوں میں استفادے کے اس عمل کا انھوں نے ایک الگ پیرائے میں اعتراف کیا ہے۔

سور، کبیر، بہاری، میرا، رحماں ،تلسی داس
سب کی سیوا کی پر عالی گئی نہ من کی پیاس (۱۴)

جن لوگوں نے صرف ماتراوں اور بحر کو لے کر بحث چھیڑی ان کے لیے ہی نہیں بہت سے دوسرے پڑھنے والوں کے لیے بھی یہ جست شاید انوکھی تھی اس لیے ان کے کان کھڑے ہوگئے لیکن جمیل الدین عالی کو شکایت اس بات کی نہیں کہ فن کی پیچیدگیوں کو لے کر یہ تنقید کیوں ہوئی_وہ شاکی ہیں تو اس بات کے کہ ایسے لکھنے والے صرف انہیں چیزوں میں الجھ گئے اور موضوعات کی ترتیب کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا کہ اندر کیا کہانی بیان کی گئی ہے،وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"افسوس کہ اب تک فارم پر کریڈیٹ اور بحث جاری ہے_مہربان نہ جانے یہ کب دیکھیں گے کہ کیا کہا گیا ہے_صرف ایک دو مضامین میں تفصیلی گفتگو آئی ہے ورنہ احیاء یا اسے مقبولیت دینے کے حوالے سے بات کیے جاتے ہیں۔(۱۵)

عالی جی کی بات کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ادب ایک طرف ہمیں مسرت بہم پہنچاتا ہے احساس جمال سے لطف اندوز کرتا ہے اور دوسروں کے تجربات سے ہمارا تزکیہ (کتھارسس) کرتا ہے_دوسری طرف لفظوں کی جمالیاتی ترتیب سے احساس، جذبے یا خیال کو غیر ضروری عناصر سے پاک کر کے اس طور پر سامنے لاتا ہے کہ ہم بھی اسے پڑھتے ہوئے غیر معمولی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔

ہر اک بات میں ڈالے ہے ہندو مسلم کی بات
یہ نہ جانے الھڑ گوری پریم ہے خود اک ذات (۱۶)

جمیل الدین عالی کے اندر ہی اندر جیسے دوہا لکھتے وقت تخلیقی لمحوں میں موسیقی کی موجیں اٹھ رہی ہوں گویا وہ موسیقی کے تاروں کو چھیڑ کر دوہا لکھ رہے ہوں چونکہ ان کی فنی زندگی میں گیت کا بھی نمایاں حصہ ہے اس لیے وہ دوہے میں بھی غنا کو خاص اہمیت دیتے نظر آتے ہیں_ پرفیسر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

"عالی کی سائیکی میں سنگیت کے سر گھلے ہوئے ہیں۔ دوہوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ باوجود شدا ید کے ہندوستان اور پاکستان کی دوستی کی آس سنگیت کی مٹھاس میں کی گئی۔

کلا جہاں ہو پیار کریں گے اگر لیا پہچان
کلا کا سورج دیس نہ دیکھے وہ جگ بھر کی جان
ہندوستان اور پاکستان پہ سمے کڑے کیوں آئے
آج نہ سمجھیں کل سمجھیں گے عالی کے ادھیائے
جنتا بے بس نیتا بے رس کیسے ملے مٹھاس
اے دونوں ہمسایوں پھر بھی گھولتے رہنا آس (۱۷)

جمیل الدین عالی کی تخلیقی شخصیت کی نمود میں کئی شہروں کا حصہ ہے_ لیکن ان کے دوہوں میں ایک ایسا تخلیق کار نظر آتا ہے جو زبان کی ایک بہت بڑی روایت کا وارث ہے_ جس کا گہرا تعلق ان کی جنم بھومی سے بنتا ہے اس لیے لفظ جسے ان کے دوہوں میں آپوں آپ سموتے جاتے ہیں۔ یوں تو جمیل الدین عالی نے کئی اصناف میں طبع آزمائی کی اور ان کے کلام میں غزل کا حصہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے تاہم غزل ان کی پہچان کا حوالہ نہیں_ ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کی غزلوں اور دوہوں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"یہ دوہے غزلوں کے مقابلے میں زیادہ حسین اور دلآویز ہیں ان میں نسبتاً زیادہ زندگی ہے۔ یہ زیادہ رنگین و پرکار ہیں۔ ان میں رعنائی کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ شعریت سے بھرپور ہیں۔ ان میں اعلیٰ شاعری ملتی ہے۔ جذبے اور تخیل کی ہم آہنگی کا ان میں کمال نظر آتا ہے۔" (۱۸)

کلاسیکی دور کے دوہے کو نظر میں رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ان اساتذہ کے ہاں پڑھنے والوں کو زبان کی مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے اس کی وجہ وہ ادوار ہیں جب زبان ابھی ارتقائی مراحل سے نہیں گزری تھی_ محمد حسن عسکری جمیل الدین عالی کی کتاب " غزلیں دوہے گیت " کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"میں یہ فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا کہ ہندی کے مشہور دوہوں کے مقابلے میں ان کی کیا قدر و قیمت ہے البتہ اپنی جگہ عالی کے دوہے اپنا ایک الگ لطف رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک عقل مندی یہ کی ہے کہ تلسی داس یا کبیر کی زبان میں نہیں لکھا۔ اس پرانی زبان کے پھیر میں پڑ کر بعض دفعہ آدمی تلسی داس یا کبیر کے خیالات اور جذبات اپنے اوپر اس طرح حاوی کر لیتا ہے کہ شاعرانہ خلوص میں کمی آجاتی ہے۔" (۱۹)

ادب اور فن میں اختلاف رائے کا حق ہر صاحب فکر کو حاصل ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جمیل الدین عالی نے جو دوہے لکھے ہیں اس نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کے اُردو اور ہندی نقادوں اور محققین کی توجہ حاصل کی اور اس کی وجہ دوہوں کی تخلیق میں عالی کی وہ سنجیدگی ہے جس نے انہیں اس صنف ادب میں انفرادیت بخشی۔

عالی جی تم پر ہی نہیں یہ سمے تو سب پر آئے
ناٹک ختم نہ ہو اور پردہ اک دم سے گر جائے (۲۰)

حوالہ جات

۱۔ سمیع اللہ اشرفی، ڈاکٹر، اُردو دوہے کی روایت، علی گڑھ، اُردو بک سنٹر، ۱۹۹۱ء، ص:۳۲

۲۔ جمیل الدین عالی، دوہے، لاہور، اکستان رائٹرز کو آپریٹیو سوسائٹی، ۲۰۰۳ء ص:۱۰۱

۳۔ سمیع اللہ اشرفی، عالی کے دوہے عروضی اعتبار سے، مشمولہ جمیل الدین عالی فن اور شخصیت، دہلی، علمی مجلس، ۱۹۸۸ء ص:۲۳۱

۴۔ شمیم حنفی (پروفیسر)، مشمولہ اُردو ادب کا تہذیبی پس منظر، لاہور، دارالشعور، ۲۰۱۵ء، ص:۴۲

۵۔ حنیف فوق، ڈاکٹر، جمیل الدین عالی کے دوہوں کا تہذیبی پس منظر، مشمولہ ارمغان عالی مرتبہ ایم حبیب خان انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۸۸ء ص:۱۶۴۔۱۶۵

۶۔ جمیل الدین عالی، غزلیں دوہے گیت، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۴ء، ص:۱۴۳

۷۔ جمیل الدین عالی، لاحاصل، لاہور، اکستان کو آپریٹیو سوسائٹی، ۱۹۹۵ء ص:۷۲

۸۔ طارق سعید، اُردو ادب کا تہذیبی پس منظر، لاہور، دارالشعور، ۲۰۱۵ء، ص:۲۵

۹۔ ظہیر غازی پوری، اُردو دوہے کا تنقیدی جائزہ، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۵ء، ص:۲۵

۱۰۔ مسعود حسین خان (پروفیسر) محاورہ مابین ناقد و شاعر مشمولہ جمیل الدین عالی فن اور شخصیت، دہلی، علمی مجلس، ۱۹۸۸ء ص:۲۵

۱۱۔ جمیل الدین عالی، غزلیں دوہے گیت، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۴ء، ص:۱۲۵

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۲۴

۱۳۔ گلزار جاوید انٹرویو جمیل الدین عالی مشمولہ، ارمغان عالی مرتبہ ایم حبیب خان انجمن ترقی اردو ہند اگست ۱۹۸۸ء، ص:۴۶۱۔۶۲

۱۴۔ جمیل الدین عالی-غزلیں دوہے گیت، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۴ء، ص:۱۴۳

۱۵۔ گلزار جاوید انٹرویو جمیل الدین عالی مشمولہ، ارمغان عالی مرتبہ ایم حبیب خان انجمن ترقی اردو ہند اگست ۱۹۸۸ء، ص:۴۶۱۔۴۶۲

۱۶۔ جمیل الدین عالی-غزلیں دوہے گیت، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۴ء، ص:۱۲۵

۱۷۔ گوپی چند نارنگ- جمیل الدین عالی اور آٹھویں سر کی جستجو مشمولہ ارمغان عالی مرتبہ ایم حبیب خان انجمن ترقی اردو ہند اگست ۱۹۸۸ء، ص:۴۷

۱۸۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، جمیل الدین عالی جدید اُردو شاعری میں ایک نئی آواز، مشمولہ ارمغان عالی مرتبہ: ایم حبیب خان انجمن

ترقی اُردو ہند اگست ۱۹۸۸ء، ص:۳۷

۱۹۔ محمد حسن عسکری۔دیباچہ غزلیں دوہے گیت، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۴ء، ص:۱۸

۲۰۔ جمیل الدین عالی، اے میرے دشت سخن، لاہور، پاکستان رائٹرز کو آپریٹیو سوسائٹی، ۱۹۹۵ء، ص:۵۴

References in Roman Script

1. Same u ALLAH Ashrafi, Dr. Urdu DohekiRiwayat-Urdu Book center Ali Gharh,1991, P:32
2. JameelUdinAali -Dohe-Pakistan Writer's Cooperative Society Lahore August, 2003 P:101
3. Samee U ALLAH Ashrafi, Dr, MashmoolaArmuganAaliMuratabaM-Habib Khan Elmi Majlas Dehl, 1988, p:231
4. ShamimHanfi (prof) Mashmoola Urdu Adab Ka Tahzeebi Pas Manzar Darushoor Lahore-2015, p:42
5. Hanif Foq, Dr, Jameel Udin Aalikedohon Ka Tahzeebi Pas ManzarMashmoolaArmugan Aali Muratabam-Habib Khan AnjumanTaraqi Urdu Hind August, 1988, p:164-65
6. Jameel Udin Aali Gazlin Dohe Geet Maktaba Usloob Karachi,1984, p:143
7. Jameel Udin Aali Lahasil Pakistan Cooperative Society Lahore, 1995, p:72
8. Tariq Saeed Urdu AdabKaTahzeebi Pas ManzarDarushoor Lahore, 2015, p: 25
9. Zaheer Gazipori Urdu Doheka Tanqidi Jaeza-Educational Publishing House Dehli September 2005-p :25
10. Masood Husain Khan, (Prof) Muhawra Mabian Naqid-o-Shair Mashmoola Jameel Udin Aali Fan-o-Shakseat Elmi Majlas Dehli,1988, p:71
11. Jameel Udin Aali Gazlin Dohe Geet Maktaba Usloob Karachi 1984 P :125
12. Abid, p:124
13. Gulzar Javed Interview, Jameel Udin Aali Mashmoola, Armugan Aali Murataba M-Habib Khan AnjumanTaraqi Urdu Hind,1988p:461-62
14. Jameel Udin Aali Gazlin Dohe Geet Maktaba Usloob Karachi, 1984, P:143
15. Gulzar Javed Interview Jameel Udin Aali Mashmoola Armugan Aali Murataba, M-Habib Khan AnjumanTaraqi Urdu Hind, P:1988
16. Jameel Udin Aali Gazlin Dohe Geet Maktaba Usloob Karachi 1984, p:125
17. Gopi Chand Narang -Jameel Udin Aali our Aathwinsur ki Justuju Mashmoola, Armugan Aali Murataba, M-Habib Khan, AnjumanTaraqi Urdu Hind,1988, P:47
18. Ibadat Barelvi (Dr) Jameel Udin Aali Jadeed Urdu Shaerimein Ak Nae Awaz Mashmoola Armugan Aali Murataba, M-Habib Khanl, AnjumanTaraqi, Urdu Hind,1988, p:73
19. Muhammad Hasan Askari -Debacha- Gazlin Dohe Geet Maktaba Usloob Karachi, 1984, P:18
20. Jameel Udin Aali-Ae Mere Dasht e Sukan Pakistan Writer's Cooperative Society Karachi March 1995 P :54